کرنل محمد خان

(۱۹۱۰ء............۱۹۹۹ء)

اُردو کے ممتاز مزاح نگار کرنل محمد خان چکوال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کی۔ میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اسی دوران میں دوسری جنگِ عظیم شروع ہوگئی چنانچہ ۱۹۴۰ء میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ کمیشن حاصل کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد دفاعِ پاکستان میں حصہ لیا۔ ۱۹۶۵ء میں ''رَن کچھ'' کے محاذ پر نمایاں کارنامے انجام دیے۔ کرنل کے عہدے پر پہنچ کر ملازمت سے سبکدوش ہوگئے اور مستقل طور پر راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی۔

کرنل محمد خان کا طرزِ تحریر سادہ اور دلچسپ ہے۔ اُن کی تحریروں کا اصل حُسن سادگی اور خلوص ہے۔ وہ بیتے ہوئے واقعات کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ اُن میں چھُپی ہوئی ظرافت دل میں گھر کر جاتی ہے۔ مزاح کے ساتھ ساتھ وہ انسانی کمزوریوں، جھوٹ، تصنّع اور بناوٹ کے رویوں پر طنز کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ انھوں نے کئی موضوعات پر بڑے گراں قدر اور اہمیت کے حامل مزاحیہ مضامین لکھے۔ ان کے ہاں مزاح نگاری کا ایک سُلجھا ہوا انداز نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں پھکڑ پن یا سوقیانہ پن کا گمان تک نہیں ہوتا۔ سادگی، معنی آفرینی، باوقار طنز و مزاح ان کی تحریروں کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

اُن کی تصانیف میں ''بجنگ آمد''، ''بسلامت روی'' اور ''بزم آرائیاں'' شامل ہیں۔

کرنل محمد خان

قدرِ ایاز

مقاصدِ تدریس

۱۔ طلبہ کو کرنل محمد خان کے واقعاتی اُسلوبِ مزاح سے آگاہ کرنا۔
۲۔ دیہات اور دیہاتیوں کی سادگی اور اُن کے خلوص سے متعارف کرانا۔
۳۔ طلبہ کو یہ بتانا کہ انسان کی قدر و قیمت اُس کے خلوص، محنت اور اصلیت پر منحصر ہے۔

کرنیلوں کو رہائش کے خاصے عمدہ سی کلاس بنگلے ملتے ہیں۔ مجھے خوش قسمتی سے ایک ایسا بنگلا مل گیا، جو اپنی کلاس میں بھی انتخاب تھا، یعنی مجھے کرنیلوں میں وہ امتیاز حاصل نہ تھا جو میرے بنگلے کو بنگلوں میں تھا۔ بوڑھے بَیروں سے روایت تھی کہ ولسن روڈ کا یہ لاشریک بنگلا ولسن صاحب نے خاص طور پر اپنے لیے بنوایا تھا۔

یہ بنگلا کم وبیش دو ایکڑ قطعہ زمین میں واقع تھا، یعنی قسامِ ازل نے ہی اسے خاصا شاہانہ طول و عرض بخشا تھا۔ عمارت کے سامنے وسیع چمن تھا جس کے حاشیے پر منہدی کی گہری سبز باڑ کے سر پر، نیزوں اونچے سرو اور سفیدے کے پیڑ لہلہاتے تھے۔ چمن میں جا بجا سرخ و سپید گلاب کے پودے تھے۔ الغرض ہمارے بنگلے کا مزاج ہر زاویے سے امیرانہ تھا۔ مقابلے میں ہمارے اثاثے کے تیور ہر چند کہ خاکسارانہ تھے تاہم اپنے مکان کی شان کے پیشِ نظر ہم نے جُوں تُوں کر کے ہر کمرے کے لیے ایک قالین یا دری پیدا کر لی۔ اگر چہ اس کارِ خیر کا بیشتر اجر مقامی کباڑیے کو ملا۔ علاوہ ازیں مناسب فرنیچر بھی حاصل کر لیا۔

سلیم میاں جو ابھی ابھی میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوئے تھے، دوسرے کرنیل زادوں کی طرح اور ان کے ہمراہ بے فکری سے بیڈمنٹن کھیلتے اور سرِ شام ہی دوستوں کے ساتھ ٹیلی وژن کے سامنے جم جاتے۔ کیا مجال جو کوئی غیر اس مشاہدے میں مخل یا شریک ہو، سوائے اس کے کہ ہمارا بوڑھا ملازم علی بخش ان کی تواضع کے لیے کمرے میں خاموشی سے داخل اور خارج ہوتا رہتا۔ علی بخش کو یوں بھی سلیم سے اُنس تھا کہ اسی کے ہاتھوں میں پلا تھا۔

ایک دن میں اپنے مطالعے کے کمرے میں بیٹھا تھا کہ علی بخش خلافِ معمول رونی صورت بنائے داخل ہوا۔ وجۂ گرانی پوچھی تو کہنے لگے:

''سلیم میاں نے ڈانٹا ہے۔ کہتے ہیں بدتمیز ہو، گنوار ہو، دیہاتی ہو۔'' میں نے ان ارشادات کی شانِ نزول پوچھی، تو بولا:

''کل سلیم میاں کی غیر حاضری میں ان کے ایک دوست امجد صاحب آئے اور باہر برآمدے ہی میں آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں نے

ان کے کہنے پر انھیں ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کیا۔ کافی دیر سلیم صاحب کا انتظار کرتے رہے لیکن آخر مایوس ہو کر چل دے۔ بعد میں سلیم صاحب کو بتایا تو مجھ پر برس پڑے۔ کہنے لگے، انھیں گول کمرے میں صوفے پر کیوں نہ بٹھایا؟ ریفریجریٹر سے نکال کر کوکا کولا کیوں نہ پیش کیا؟ اب امجد سمجھے گا کہ ان لوگوں کو تو اصنع کا سلیقہ نہیں، دیہاتی ہیں، جنگلی ہیں اور پھر جو منُھ میں آیا کہ دیا۔"

علی بخش کی داستانِ غم ختم ہوئی تو سلیم میاں بھی آ گئے۔ علی بخش کے چہرے پر شکایت لکھی ہوئی دیکھی تو اپنے دل پر لکھی ہوئی شکایت بیان کرنے لگے۔ ہم نے سکون سے یہ قصہ سنا۔ طرفین کے بیانوں سے واضح تھا کہ تنازع بہت خفیف ہے اور یہ کہ دوطرفہ طوفان کا حدودِ اربعہ ایک چائے کی پیالی میں سما سکتا ہے۔ علی بخش اس لیے ناخوش تھا کہ اسے دیہاتی کہا گیا تھا اور سلیم میاں اس بات پر برہم تھے کہ علی بخش کی غلطی کی وجہ سے امجد نے انھیں دیہاتی سمجھا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دیہاتی ہونا یا سمجھا جانا ایسی ناقابلِ برداشت قباحت نہ تھی، چنانچہ ہم نے ہنسی ہنسی میں دیہاتی پن کے فضائل بیان کرنا شروع کیے اور اس بلاغت کے ساتھ کہ سلیم اور علی بخش دونوں مسکرا دیے اور باہم راضی ہو گئے۔ باتوں باتوں میں ہم انھیں ایک دیہاتی کا قصہ سنانے لگے:

ایک تھا لڑکا جو اپنے گاؤں سے پرائمری پاس کرنے کے بعد شہر کے ہائی سکول میں جا داخل ہوا۔ اپنے گاؤں میں تو وہ چھوٹا موٹا چودھری یا چودھری کا بیٹا تھا، لیکن تھا ٹھیٹھ دیہاتی۔ پہلے دن کلاس میں گیا، تو ننگے سر پر صافہ باندھ رکھا تھا۔ بدن پر کُرتا اور تہمد اور پاؤں میں پوٹھوہاری جوتا۔ ماسٹر جی نے شلوار پہننے کو کہا، تو دھیمی آواز میں بولا: "اوخدا، ستھن تے کڑیاں پاؤندیاں نیں[1]۔"

سلیم میاں یہ سن کر کھلکھلا اٹھے اور بولے:

"سچ مچ پکا پینڈو تھا............ مگر ابا جان! وہ پتلون کیوں نہیں پہنتا تھا؟"

میں نے کہا: "بیٹا! یہ آج سے چالیس برس پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں اگر ماسٹر جی خود بھی پتلون پہن لیتے تو شہر کے کتے انھیں ولایت پہنچا آتے۔"

سلیم میری بات پوری طرح سمجھے بغیر ہنس دیے۔ بوڑھا علی بخش پوری طرح سمجھ کر مسکرایا۔ ہم نے کہانی جاری رکھی: ان دنوں پتلون پوش خال خال ہی نظر آتے تھے۔ مثلاً سارے سکول میں ایک سیکنڈ ماسٹر صاحب تھے جو سوٹ پہنتے تھے۔ لڑکے انھیں جنٹل مین کہا کرتے تھے۔ لاہور میں تعلیم پائی تھی۔ وہیں کے رہنے والے تھے۔ ہر فقرے میں دو تین لفظ انگریزی کے بولتے تھے اور لڑکے رشک سے مرنے لگتے تھے۔ آدمی خوش مزاج تھے۔ ہاکی کے کھلاڑی تھے اور شکار کے شوقین۔ ایک دفعہ دسمبر میں شکار کرتے کرتے اسی دیہاتی لڑکے کے گاؤں جا نکلے۔ رات ہو رہی تھی۔ آپ نے اسی کے ہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اور ان کے دروازے پر جا دستک دی۔ لڑکے نے اچانک ماسٹر جی کو گھر کے دروازے پر دیکھا تو ایک لمحے کے لیے چکرا سا گیا۔ ماسٹر صاحب نے کئی دفعہ مذاق میں کہا تو تھا کہ ہم ایک دن چھوٹے چودھری کے مہمان بنیں گے............ ماسٹر جی اسے چھوٹا چودھری بھی مذاقاً ہی

۱۔ اوخدایا! شلوار تو لڑکیاں پہنتی ہیں۔

کہتے تھے۔لیکن چودھری کو توقع تھی کی ماسٹر جی مذاق کو مذاق کی حد تک ہی رکھیں گے،مگر آج وہ حد پھلانگ کر اس کے رُوبروآ کھڑے ہوئے تو چھوٹے چودھری کو میزبانی کے بغیر چارہ نہ تھا۔

یہ نہیں کہ چھوٹا چودھری یا اس کے گھر والے مہمان نواز نہ تھے۔انھیں صرف اس بات کا یقین نہیں تھا کہ ان کی مہمان نوازی ماسٹر جی کو موافق بھی آئے گی یا نہیں۔ بہر حال انھوں نے اپنی تواضع کی ابتدا کی۔چھوٹا چودھری اور اس کے بڑے بھائی ماسٹر جی کو بصد تعظیم اپنی چوپال میں لے گئے۔ چوپال کے دو حصے تھے۔ ایک میں گھوڑی بندھی تھی اور دوسری کے عین مرکز میں آتش دان تھا،جس کی آگ کے شعلے اور دھواں بیک وقت بلند ہو کر چوپال میں روشنی اور تاریکی پھیلا رہے تھے۔آتش دان کے اردگرد خشک گھاس کا نرم اور گرم فرش تھا، جسے مقامی بولی میں ''ستھر'' کہتے تھے۔گاؤں کے بیس بائیس آدمی ''ستھر'' پر بیٹھے حُقّہ پی رہے تھے۔ ماسٹر جی داخل ہوئے تو سب کھڑے ہوگئے۔ ماسٹر جی کو''آؤ جی خیرنال'' کہا۔ ہر ایک نے ان سے مصافحہ کیا۔ ہر ایک نے ان کے بال بچوں کی خیریت پوچھی۔ ماسٹر جی نے چھوٹتے ہی ذرا شرما کر کہہ تو دیا کہ ابھی بال بچوں کی نوبت نہیں آئی لیکن ان نامولود برخورداروں کی خیریت بہر حال ہر ملاقاتی نے پوچھی کہ یہی ان کی تواضع کی ترکیب تھی۔ چونکہ ماسٹر جی نے پتلون پہن رکھی تھی لہٰذا فرش پر بٹھانے کی بجائے ان کے لیے رنگیلی چارپائی بچھا دی گئی۔

سلیم حیران ہو کر بولے:''ابا جان!ان میں اتنی عقل نہ تھی کہ انھیں کرسی دیتے۔''

میں نے کہا:''بیٹا!عقل تو تھی،کرسی نہ تھی۔''

سلیم نے فیصلہ کن انداز میں کہا:''اگر کرسی نہ تھی تو چودھری کس بات کے تھے؟''

میں نے کہا:''ایک تو چودھری ذرا چھوٹی قسم کے تھے اور دوسرے گاؤں میں چودھری پن کی نمائش کرسیوں سے نہیں کی جاتی۔''

سلیم دیہاتیوں کی کوئی غلطی،کوئی کمزوری پکڑنے پر تُلا ہوا تھا،بولا:

''مگر کوئی گول کمرے میں گھوڑی بھی باندھتا ہے؟''

میں نے سلیم کو سمجھایا:

''اگر گھوڑی کے لیے کوئی علیحدہ مستطیل کمرا نہ ہو تو پھر وہ بھی گول کمرے میں رہتی ہے۔ علاوہ ازیں گاؤں کے کمرے اتنے گول بھی نہیں ہوتے!''

سلیم طنز کو پا گیا اور بولا:

''گول کمرا تو ویسے نام پڑ گیا ہے۔ ہمارا اپنا گول کمرا بھی تو چوکور ہے،مگر بات یہ ہے کہ ڈرائنگ روم میں گھوڑے گدھے کا کیا کام؟''

میں نے ہنس کر کہا:

''بیٹا! دیہاتی لوگ اتنے مہذب نہیں ہوتے کہ ڈرائنگ روم میں کتے لے آئیں۔ وہ گھوڑوں ہی سے گزارا کر لیتے ہیں۔''

علی بخش مسکرایا۔ سلیم کسی قدر چکرایا، لیکن کہانی بہر حال اشتیاق سے سُن رہا تھا، بولا:

''پھر کیا ہوا؟''

پھر گاؤں کا نائی ماسٹر جی کے پاؤں دابنے لگا۔ ایک نوکر کو دوڑایا گیا کہ ان کے لیے تازہ مکئی کے بھٹے بُھنوا کر لے آئے۔''

سلیم جھٹ بول اٹھے: ''ابّا جان! مکئی کے بھٹے تو پِک نِک پر کھائے جاتے ہیں۔ گھر میں تو چائے پلائی جاتی ہے، وہ لوگ اتنی بات بھی نہ جانتے تھے؟''

میں نے کہا: ''یہ گھر میں پک نک منا لینے کی غلطی دیہاتیوں سے اکثر ہو جاتی ہے۔ بہر حال ماسٹر جی نے خود ان کی اصلاح کر دی اور بھٹے کا نام سن کر کہنے لگے:

''یہ تکلیف نہ کریں۔ ہو سکے تو ایک پیالی چائے پلا دیں۔ ذرا سردی بھی ہے۔''

سلیم نے فوری تائید کی: ''بات بھی ٹھیک تھی۔ وقت جو چائے کا تھا۔''

میں نے کہا: ''بات تو ٹھیک تھی، بشرطیکہ ان کے گھر چائے بھی ہوتی۔''

اس مقام پر سلیم میاں تیزی سے سوال کرنے لگے اور ہماری کہانی نے مکالمے کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ فوراً بولے:

''تو کیا ان کے گھر میں چائے ختم ہو گئی تھی؟''

''نہیں بیٹا! کبھی شروع ہی نہیں ہوئی تھی۔ اُن دنوں چائے ابھی دیہات میں نہیں پہنچی تھی۔''

''تو کیا انھوں نے مہمان سے صاف کہہ دیا کہ ہمارے پاس چائے نہیں؟ کتنی شرم کی بات ہے!''

میں نے کہا: ''بھئی میرے خیال میں پہلے تو گھر میں چائے کا نہ ہونا شرم کی بات نہیں۔ دوسرے انھوں نے مہمان کی خاطر چائے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی اور آخر مقامی حکیم کے گھر سے چائے مل بھی گئی۔ اُن دنوں چائے صرف مریضوں کو پلائی جاتی تھی۔''

سلیم نے لمبا سانس لیا اور بولے: ''چلو شکر ہے چائے تو ملی۔''

میں نے کہا: ''ہاں چائے تو مل گئی، لیکن پھر ایک عجیب سوال پیدا ہو گیا۔''

''یہی نا کہ چائے کے ساتھ کھانے کو کیا دیا جائے؟ وہاں تو لے دے کے مکئی کے بُھٹے ہی تھے!''

''نہیں بیٹے۔ یہ بات نہ تھی۔ سوال ذرا بنیادی نوعیت کا تھا اور وہ یہ کہ چائے بنائی کیسے جائے!''

سلیم نیم وحشت کے عالم میں میرا مُنھ تکنے لگا اور بولا: ''ابا جان! چائے تو ہمارا جمعدار بھی بنا سکتا ہے اور دن بھر پیتا رہتا

ہے۔ کیا وہ اتنے ہی اناڑی تھے؟''

میں نے کہا: ''بھئی وہاں چائے پینے پلانے کا ہُنر پہنچا ہی نہ تھا۔ وہاں لسّی کا رواج تھا اور اس ہنر میں وہ یکتا تھے۔''

''تو کیا ماسٹر جی کو آخر لسّی پلا دی؟''

''نہیں پلائی تو چائے ہی تھی، لیکن وہ ایسی کامیاب چائے نہ تھی۔''

''یعنی چائے کی لسّی بنا دی؟''

''ہاں بیٹا، کچھ ایسا ہی ذائقہ ہوگا۔ چھوٹے چودھری کا کہنا ہے کہ ماسٹر جی نے ایک گھونٹ پیا، ٹھنڈی لگی اور پیالی رکھ دی؟''

''تو چودھری شرم سے غرق نہ ہو گیا؟''

''نہیں ایسا حادثہ تو نہ ہوا، البتہ چودھری کو اس بات کا رنج بہت ہوا کہ ماسٹر جی کی فرمائش پوری نہ کی جاسکی۔ بہر حال انھوں نے کچھ تلافی رات کے کھانے پر مرغ کے سالن سے کر دی۔''

''پھر ماسٹر جی کے لیے بستر لگایا گیا۔ چودھری نے ان کے لیے اکلوتی ریشمی رضائی نکلوائی اور وہ سفید جھالر والا تکیہ بھی، جس کے غلاف پر بارہ سنگھے کی تصویر کڑھی ہوئی تھی۔ بے شک تکیے میں لچک کی نسبت اکڑ زیادہ تھی اور ماسٹر جی کو اسے سر کے نیچے فٹ کرنے میں کچھ دِقّت بھی پیش آئی، لیکن آخر آرام سے سو گئے۔ صرف ایک مرتبہ آدھی رات کے قریب گھوڑی کے کھانسنے سے ذرا انگریزی میں بڑبڑا کر جاگ اٹھے، لیکن برابر ہی چودھری اور اس کا نوکر سو رہے تھے۔ انھوں نے گھوڑی کو چارا اور ماسٹر جی کو دلاسا دیا اور پھر صبح تک کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہ ہوا۔''

''ابّا جان! صبح ہوتے ہی ماسٹر جی تو بھاگ نکلے ہوں گے؟''

''نہیں تو۔ وہ تو اطمینان سے جاگے۔ پہلے انھیں ہرے بھرے کھیتوں کی سیر کرائی گئی، پھر انھوں نے غسل کیا۔''

''غسل بھی بیٹھک ہی میں کیا ہوگا؟''

''بیٹا، بیٹھک میں نہیں، مسجد میں۔''

''مسجد میں؟'' سلیم نے حیرت سے کہا: ''خانۂ خدا کو غسل خانہ بنا دیا؟''

میں نے کہا: ''بھئی گاؤں کے اکثر لوگ مسجد کے غسل خانوں ہی میں نہاتے ہیں اور بظاہر اللہ تعالیٰ کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں۔ دیہاتی گھروں میں ہر کام کے لیے علیحدہ خانے کم ہی ہوتے ہیں۔''

سلیم کان پر ہاتھ رکھ کر بولے: ''خدا اس دیہاتی زندگی سے بچائے۔ ابا جان! اچھا ہوا آپ فوج میں آ گئے! ورنہ ہم بھی چھوٹے چودھری کی طرح مویشیوں کے ساتھ سو رہے ہوتے اور مسجد میں جا کر نہاتے۔''

''لیکن چھوٹا چودھری تو اس زندگی سے بھی ناخوش نہ تھا۔''

''مگر ابا جان! بے چارے ماسٹر جی کا کیا بنا؟''

''بنا یہ کہ ماسٹر جی نے غسل کے بعد ناشتا کیا اور پھر رخصت ہو گئے۔''

''ناشتا؟ چودھری کے گھر میں کارن فلیک تھے؟''

''کارن فلیک تو نہ تھے! البتہ جو کچھ دال دلیا تھا، غریب نے حاضر کر دیا۔''

''ابا جان! اس کے بعد چھوٹا چودھری تو سکول میں مُنھ دکھانے کے قابل نہ رہا ہو گا؟''

''نہیں بیٹا! سکول تو وہ اسی مُنھ سے گیا اور شہری لڑکوں نے اس سے کچھ مذاق بھی کیا............ مگر وہ مگن رہا۔''

''چودھری کی جگہ میں ہوتا تو شرم سے مر جاتا۔''

''مگر چودھری تو جیتا رہا، بلکہ خاموشی سے پڑھتا بھی رہا اور آخر میٹرک پاس کر کے لاہور، کالج میں چلا گیا۔''

''وہ کالج بھی گیا؟ کیا ان کے پاس اتنے پیسے تھے؟''

''پیسے تو کم ہی تھے، مگر انھوں نے تھوڑی سی زمین بیچ دی۔''

''مگر تھوڑی سی زمین سے کیا بنتا ہے؟ کالج میں رہ کر کھانا ہوتا ہے۔ کچھ پہننا ہوتا ہے۔ کیا وہ مکئی کے بُھٹے کھاتا تھا؟ کیا وہ تہمد باندھتا تھا؟''

''بس گزارا ہی کر لیتا تھا؟''

''گزارا ہی کرتا رہا یا کچھ پڑھ بھی گیا؟''

''ہاں، کچھ پڑھ بھی گیا؟''

''پھر؟''

''پھر جیسا کہ ان کا دستور تھا، فوج میں بھرتی ہو گیا۔''

''پھر تو آپ اسے جانتے ہوں گے۔ کیا وہ آپ کے ماتحت کام کرتا ہے؟''

''ماتحت تو نہیں، مگر جانتا ضرور ہوں۔''

''تو ابّا جان اِسے بلائیے نا کبھی، ہم چھوٹے چودھری کو دیکھیں گے۔''

''دیکھیں گے؟ وہ کوئی تماشا تو نہیں، سلیم میاں۔''

''ابا جان! بلائیے نا چھوٹے چودھری کو۔ ہم بالکل نہیں ہنسیں گے۔''

''سچ؟''

''بالکل سچ!''

''تو پھر آؤ۔ ملو چھوٹے چودھری سے'' ....اور یہ کہ کر میں نے سلیم کی طرف بازو پھیلا دیے۔ سلیم ایک لمحے کے لیے مبہوت کھڑا مجھے دیکھتا رہا اور پھر یہ کہ کر مجھ سے لپٹ گیا:

''ابّا جان! آپ؟''

سلیم اور علی بخش دونوں کی آنکھیں نم تھیں اور دونوں کی آنکھوں میں ایک دیہاتی کے لیے محبت کی چمک تھی۔ ایاز اپنے اصلی لباس میں بھی ایسا معیوب نظر نہیں آتا تھا!

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) مصنف کو کس قسم کا بنگلا رہنے کو ملا؟

(ب) سلیم میاں کا مشغلہ کیا تھا؟

(ج) سلیم میاں، علی بخش پر کیوں برہم ہوئے؟

(د) دیہاتی لڑکا پہلے دن سکول گیا تو اُس نے کیسا لباس پہن رکھا تھا؟

(ہ) ماسٹر جی چھوٹے چودھری کے گاؤں کیوں گئے تھے؟

(و) ماسٹر جی کو چائے کیسے پیش کی گئی؟

(ز) دیہاتی لڑکے کی کہانی سُن کر سلیم میاں پر کیا اثر ہوا؟

۲۔ ''قدرِ ایاز'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

۳۔ واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیں۔

دیہات، شکایت، ارشادات، قصہ، حادثات، روایت، عمارت، امتیاز، مشاہدات

۴۔ سبق ''قدرِ ایاز'' کے متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درست جواب کی نشاندہی (✓) سے کریں۔

(الف) کرنیلوں کو رہائش کے لیے کون سے بنگلے ملتے ہیں؟

(i) اے کلاس (ii) بی کلاس

(iii) سی کلاس (iv) ڈی کلاس

(ب) الغرض ہمارے بنگلے کا مزاج ہر زاویے سے تھا:

(i) مدبرانہ (ii) امیرانہ

(iii) خاکسارانہ (iv) عاجزانہ

(ج) تمام دیہاتیوں نے ماسٹر جی سے کون سے برخورداروں کی خیریت دریافت کی؟

(i) نومولود (ii) شیر خوار

(iii) نامولود (iv) تابع دار

(د) ماسٹر جی کے بیٹھنے کے لیے کیا چیز منگوائی گئی؟

(i) پیڑھی (ii) کرسی

(iii) بنچ (iv) چارپائی

(ہ) ماسٹر جی نے کس چیز کی فرمائش کی؟

(i) کارن فلیک کی (ii) لسّی کی

(iii) چائے کی (iv) کافی کی

۵۔ متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درست اور غلط جملوں کی نشاندہی (✓) سے کریں۔

(الف) طرفین کے بیانوں سے واضح تھا کہ تنازع بہت خفیف ہے۔	درست	غلط
(ب) سارے سکول میں ایک ہیڈ ماسٹر صاحب تھے جو سوٹ پہنتے تھے۔	درست	غلط
(ج) سلیم اور علی بخش، دونوں کی آنکھوں میں ایک دیہاتی کے لیے مذاق کی چمک تھی۔	درست	غلط
(د) دیہاتی لوگ اتنے مہذب نہیں ہوتے کہ ڈرائنگ روم میں کتے لے آئیں۔	درست	غلط
(ہ) سلیم میاں ابھی ابھی ایف اے کے امتحان سے فارغ ہوئے تھے۔	درست	غلط

۶۔ اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کریں۔

قسامِ ازل، قطعہ زمین، مخل، تواضع، تنازع

۷۔ اپنے استاد سے محمود و ایاز کی تلمیح کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

۸۔ مذکر اور مؤنث الفاظ الگ الگ کریں۔

طول، شان، چمن، تواضع، اشتیاق

۹۔ درجِ ذیل الفاظ کے معانی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

قباحت، امتیاز، نوعیت، تلافی، مبہوت، دستور

۱۰۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درجِ ذیل اقتباسات کی تشریح کریں۔

(الف) سلیم میاں جو ابھی .... ہاتھوں میں پلا تھا۔

(ب) علی بخش کی داستانِ غم .... دیہاتی سمجھا ہوگا۔

۱۱۔ کالم (الف) کے الفاظ کو کالم (ب) میں دیے گئے متضاد الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
طول	مسرت
داخل	ویرانہ
ازل	شدید
رنج	عرض
خفیف	ابد
چمن	خارج

روزمرہ اور محاورے کے لحاظ سے غلط فقرات کی درستی:

اہلِ زبان کی عام بول چال کو روزمرہ کہا جاتا ہے۔ روزمرہ میں الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، جب کہ محاورہ دو یا دو سے زیادہ لفظوں کا ایسا مجموعہ ہے جو اپنے غیر حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی بھی زبان کو درست بولنے یا لکھنے کے لیے اس کے روزمرے اور محاورے سے آشنائی ضروری ہے۔ اگر خلافِ زبان کوئی لفظ بولا یا لکھا جائے تو وہ غلط شمار ہوگا۔ ذیل میں ایسی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن میں روزمرے یا محاورے کی غلطی موجود ہے۔

غلط فقرات:

- ☆ آج ہم نے میچ کھیلنا ہے۔
- ☆ اسلم شام کے پانچ بجے اکرم کو ملا۔
- ☆ تم تو ناک پر مچھر نہیں بیٹھنے دیتے۔
- ☆ صاحب کا حکم سر ماتھے پر۔
- ☆ اگر ممکن ہو سکے تو میرا کام کر دیجیے۔
- ☆ براہ مہربانی فرما کر خط کا جواب جلد دینا۔
- ☆ وہ تو ہمیشہ بے پر کی سناتی ہے۔
- ☆ یہ عورت تو آفت کی پر کالہ ہے۔

درست فقرات:

- ☆ آج ہمیں میچ کھیلنا ہے۔
- ☆ اسلم شام کے پانچ بجے اکرم سے ملا۔
- ☆ تم تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔
- ☆ صاحب کا حکم سر آنکھوں پر۔

☆ اگر ممکن ہو تو میرا کام کر دیجیے۔

☆ مہربانی فرما کر خط کا جواب جلد دینا۔

☆ وہ تو ہمیشہ بے پر کی اڑاتی ہے۔

☆ یہ عورت تو آفت کا پرکالہ ہے۔

سرگرمیاں:

۱۔ کرنل محمد خان کا کوئی اور مزاحیہ مضمون، اپنے استاد سے پوچھ کر پڑھیں۔

۲۔ طلبہ سے کہیں کہ انھیں یہ سبق پڑھ کر، جو بات سب سے زیادہ دلچسپ لگی ہو، اسے اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ طلبہ کو بتائیں کہ مزاحیہ ادب اپنے ظاہری رویوں میں سنجیدہ ادب سے بالکل مختلف ہوتا ہے، لیکن ہر دو طرح کے ادب کا مقصد، معاشرے کی اصلاح ہے۔

۲۔ اساتذہ یہ سبق پڑھانے سے قبل ''ایاز'' کا تاریخی تعارف طلبہ کے سامنے پیش کریں اور بتائیں کہ سلطان محمود غزنوی کس طرح اُس کی صلاحیتوں کی قدر کرتا تھا۔

۳۔ فوجی افسروں کے عہدوں کے بارے میں بتایا جائے۔

۴۔ دیہات میں چوپال اور چوپال کی اہمیت کی وضاحت کریں۔

۵۔ طلبہ کو اپنی علاقائی روایتوں اور قدروں کی حفاظت اور اُن سے محبت کا درس دیا جائے۔ انھیں سادگی اور خلوص کی تلقین کریں۔